سخنان

شہر لکھنؤ سرکار صفوۃ العلماء آقائے شریعت مولانا سید کلب عابد نقوی صاحب رحمت مآب آل انڈیا شیعہ کانفرنس کے اجلاس چہل و چہارم منعقدہ ۱۱/اپریل ۱۹۶۴ء بمقام حسینیۂ حضرت غفرانمآبؒ کے خطبۂ صدارت استقبالیہ میں فرماتے ہیں:

(ہمارے لکھنؤ میں) ''کوئی مشہور جگہ نہیں ہے، کوئی قابل دید قصر سلطانی نہیں ہے، کوئی اعجوبۂ روزگار مقبرہ نہیں۔ یہاں اشتیاق دید میں سیاحوں کو جو عمارتیں کھینچ لاتی ہیں وہ امامباڑے ہیں، مساجد ہیں اور کربلائیں ہیں۔ غور کرنے کی بات ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے بعد سے ہزارہا مسلم والیان مملکت، تاجدار سلاطین وصوبہ دار حضرات گذرے۔ جن میں سے بہت سے شیعہ مذہب کے نام لیوا بھی تھے پھر بھی آخر اتنے مذہبی آثار لکھنؤ ہی میں کیوں ملتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ دوسری راجدھانیوں کو شاہان وسلاطین تو ملے لیکن شاہان دنیا کو دین کی راہ پر لگانے والے خاندان اجتہاد کے سے علماء نہ ملے۔ اگر صرف بادشاہوں کے جعفری ہونے سے کوئی مقام، مرکز مذہب بن سکتا تھا تو کیا بجائے لکھنؤ کے گولکنڈہ اور مرشد آباد نہ ہوتے جہاں برسوں ہماری شاہی رہ چکی ہے۔ شاید اس حقیقت کے اعتراف میں کسی منصف مزاج کو عذر نہ ہو کہ علماء کرام خاندان اجتہاد کی رہنمائی اور شاہان اودھ کے مطلق العنان فرمانروا ہونے کے باوجود علماء کی اطاعت نے جو ان کو آخرت میں فوائد پہنچا رہے ہوں گے ان سے قطع نظر نہ صرف ہندوستان بلکہ مشاہد مشرفہ میں بھی اس وقت ان کا فیض اور نام جاری ہے۔ ہندوستان کی عظیم ترین بادشاہتوں کی کوئی یادگار مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ یا کسی دوسری جگہ نہیں ملتی مگر آج کے چند ضلعوں کے برابر حصۂ ملک پر حکومت کرنے والے مختصر سی شاہی کے مالک شاہان اودھ کی نشانی ''نہر آصفی'' اور ''خیر یہ اودھ'' اب بھی پیاسوں کے لیئے سیرابی اور بھوکوں کے لیئے شکم سیری کا سبب بنی ہوئی ہے۔ بہرصورت دین و دنیا کے اس اجتماع نے زبان و ادب، اخلاق وتہذیب کے ساتھ ساتھ لکھنؤ کو علمی اور مذہبی مرکزیت بھی دیدی۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہاں سے جو تحریک اٹھتی ہے وہ بالعموم ہندوستان گیر ہوجاتی ہے۔ یہاں کی اچھی بری ہر لہر دماغوں سے ٹکراتی ہے اور عام ذہنوں پر اثر انداز ہو کر عمل کو متاثر کرتی ہے۔ جس کا تازہ ثبوت یہ ہے کہ جب لکھنؤ نگر مہاپالیکا نے لکھنؤ کی مشہور ومعروف درسگاہ سلطان المدارس کے خلاف اقدام کیا اور سابق طلباء مدرسہ کی انجمن نے اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی تو حیدرآباد سے لے کر کشمیر تک کوئی ایسی شیعہ بستی نہ تھی جو ہم آواز نظر نہ آتی ہو اور جہاں سے احتجاجی ریزولیشن تار اور خطوط کی بوچھار نہ ہوگئی ہو اور یہ تقریباً متفقہ احتجاجی آوازیں صدا بہ صحرا بھی ثابت نہ ہوئیں بلکہ انشاءاللہ عنقریب اس کے نتائج منظر شہود پر آجائیں گے۔

مگر اسی مرکزیت کا ایک منفی نتیجہ یہ بھی ہے کہ یہاں جو غلط اور نامناسب بات بھی ظہور پذیر ہوتی ہے اس کے اثرات بھی ہندوستان گیر ہوجاتے ہیں۔ یہاں کا قومی اختلاف صرف یہیں تک محدود نہیں رہتا بلکہ تقریباً ہندوستان کی ہر شیعہ بستی میں افتراق کی لہر دوڑا دیتا ہے اور ہر بستی دو

گروہوں میں تقسیم ہوجاتی ہے۔ یہاں کی بے جا اور غلط رواسم کی بھی دوسری جگہوں میں پیروی کی جاتی ہے۔ ہماری انتہائی بدقسمتی ہے کہ اس وقت ہمارا یہی دینی مرکز تمام ان امراض میں شدت سے گرفتار ہے جو کسی قوم کو پستی میں لے جانے اور بالآخر فنا کا سبب بن سکتے ہیں۔ اقتصادی اور معاشی بدحالی یہاں حد سے زیادہ ہے اور اس کے نتائج یعنی اخلاقی پستی، تعلیم کی کمی اور بے راہ روی خصوصاً نئی نسل میں روز بروز نمایاں ہوتی جاتی ہیں۔ اس وقت جب کہ دوسری قوموں کے کمسن اور نوجوان مدارس و اجلاس میں اساتذہ وعلماء کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیے دماغوں کو نورِ علم سے منور کرنے میں مصروف ہوتے ہیں ہمارے بچے اور نوجوان گلیوں میں آوارہ گردی اور تضییع اوقات میں مشغول نظر آتے ہیں۔ یہ اسی شہر کا ذکر ہے جہاں کچھ ہی عرصہ قبل ماحول کے اثر سے غیر تعلیم یافتہ افراد کی بھی شستہ گفتگو، رکھ رکھاؤ اور نشست و برخاست کے انداز جہالت کے پردہ پوش ہوجاتے تھے۔ جس شہر کی طرف منسوب ہونا ہی نکھرے ستھرے اخلاق، ذہانت اور قابلیت کا مرادف سمجھا جاتا تھا شاید مکاری اور جہالت ہی کا یہ اثر بھی ہو کہ اس وقت لکھنؤ ہی اختلافات کی آماجگاہ اور پارٹی بندیوں کا مرکز ہے۔ دوسروں پر اتہام لگانا، تہمت تراشیاں، بڑھتے ہوؤں کو گرانا اور گرے ہوئے کو کچل دینا بڑے سے بڑا قابلِ فخر کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔

چونکہ لکھنؤ کو ایسی مرکزیت حاصل ہے جس کے ہر انداز کی دیگر شیعہ بستیاں نقل کرتی ہیں، ہر تحریک سے دوسرے افراد قوم متاثر ہوتے ہیں لہٰذا مذکورۂ بالا برائیاں بھی اثر انداز ہو رہی ہیں۔ اور روز بروز زیادہ بااثر ہوتی جائیں گی۔ لکھنؤ کو ہندوستانی دنیائے شیعیت میں قلب کی حیثیت حاصل ہے۔ جناب امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں ''جسم انسانی میں ایک چھوٹا سا گوشت کا ٹکڑا ہے اگر وہ ٹھیک ہوگیا تو سب کچھ ٹھیک ہے اور اگر وہ خراب ہوا تو پھر سب کچھ خراب ہوا اور وہ دل ہے۔''

جس طرح قلب انسانی ہے اسی طرح جو شہر مرکز قومی ہو بہت کچھ اس کی اصلاح وفساد پر قوم کی صلاح وفساد موقوف ہے۔ اب ایک علاج تو یہ ہوسکتا ہے کہ لکھنؤ سے مرکزیت چھین لی جائے تو کیا ہندوستان کے کسی دوسرے شہر میں مرکز بننے کی صلاحیت ہے اور پھر مرکزیت دو ایک دن میں نہیں ملتی اس کے لیئے صدیاں درکار ہیں۔ اور بغیر مرکز کے قوم کی وہی حالت ہوگی جیسے کتاب کا شیرازہ توڑ کر اسکو منتشر کر دیا جائے۔ اسی بناء پر ہر مذہبی اور دینی درد رکھنے والے اور ہر اصلاح قوم کے خواہشمند کا پہلا فرض یہ ہونا چاہیئے کہ تعمیری کوششوں کی ابتدا لکھنؤ سے کرے۔ سب سے پہلے یہاں کی اصلاح اور درستی کی فکر کرے۔''